عربی کی ایک قلمی کتاب سے
تاریخِ ہند پر نئی روشنی

از
(جناب ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب استاد ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی)

(۶)

۲/ ۲۸-۲۹

ابو الحسن محمد بن حرب نے مجھ سے کہا کہ شہر رتن (؟) کے باہر اس سے کوئی ساڑھے چار میل دور ایک بڑا مندر ہے جس میں پتھر کی ایک بڑی مورتی رکھی ہے، مندر میں ساٹھ عورتیں ہیں جن کی جسم فروشی کی کمائی مندر کی ضروریات، مورتی کی دیکھ بھال اور مندر کے عملہ پر وقف ہے. اس مندر میں جو پردیسی سفر کو جاتے وقت یا سفر سے لوٹتے وقت آتے ہیں وہ ان عورتوں سے مفت اپنی جنسی ضرورت پوری کرتے ہیں (اور بما یمر أحد منهم بغير أجرة ولا عوض ولا شئ ؟) کوئی مسافر اگر کسی عورت کو کچھ دے تو وہ نہیں لیتی. اس منصوری نے کہا کہ میں نے بعض سادھوؤں (منزویلیین ؟) کو کہتے سُنا کہ عورتوں کے وقف کا سبب یہ ہے کہ ایک راجہ کی رانی ٹہل کر آ رہی تھی، وهي الهار بين الی برمن (؟) کہ اس کا گذر ایک ناریل کے درخت کے پاس سے ہوا، درخت کے نیچے ایک شخص بیٹھا اِستمنیٰ بالید کر رہا تھا، یہ دیکھ کر وہ ٹھہر گئی اور اس کے حاشیہ کے لوگ بھی رُک گئے، وہ ہاتھی پر سوار تھی.

رانی کے حکم سے وہ شخص اُس کے پاس لایا گیا، وہ آیا تو رانی نے اس سے کہا: بھلے آدمی تجھے خدا کا کچھ خوف نہیں، تجھے کوئی بیماری نہیں اور پھر تو یہ کام کرتا ہے!" اس شخص نے کہا: میں نے مجبور ہو کر ایسا کیا" رانی: تو ایسے شہر میں آیا جہاں کسبیوں کی کوئی کمی نہیں، پھر بھی تو یہ حرکت کرتے ہوئے لوٹ رہا ہے، اس شخص نے کہا: میں پردیسی ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے" رانی نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس کا جھاڑا لیں، اس کا جھاڑا لیا گیا تو اُس کے پاس کچھ نہ نکلا۔ اس شخص کی زبوں حالی دیکھ کر رانی کو بڑا قلق ہوا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے کہا: واقعی یہ پردیسی ہے اور مجبور، اس کے پاس پیسہ نہیں کہ کسبی کے پاس جائے، اس کی اور اس جیسے کنگلوں کی تکلیف کا گناہ ہمارے سر ہے" اس نے اپنے ایک سکریٹری سے کہا: میں یہاں سے اس وقت تک نہیں ہلوں گی جب تک تم انجنیروں اور ٹھیکہ داروں کو نہیں بلاؤ گے اور اس جگہ ایک مندر کا تخمینہ نہیں لگاؤ گے، مندر میں پردیسیوں اور مسافروں کے لئے کسبیاں رکھو جو رات کو ان کے ساتھ رہیں۔ اس طرح رانی نے مندر بنوایا اور اس میں مورتی رکھی اور مسافروں کے لئے ساٹھ کنیزیں وقف کیں، جب کوئی کنیز بوڑھی ہو جاتی تو اُس کی جگہ جوان رکھ دی جاتی۔ شہر کا کوئی آدمی یا مندر کا کوئی خدمت گار اگر ان سے جنسی ضرورت پوری کرتا تو اس کو فیس دینا ہوتی، لیکن پردیسیوں سے کچھ نہ لیا جاتا۔

۲/۲۹ شیخ بہاء الدین بن سلامہ نے ہند کے دوسرے حالات کے ضمن میں یہ واقعہ بیان کیا:۔

ہم نے ایک بندر پر لنگر ڈالا جس کے ایک جانب کھیتی تھی۔ ہم کھیتی کے برابر فروکش ہوئے، ہمارا ایک ساتھی جو ایک ممتاز تاجر اور مال دار آدمی تھا پیٹ کے بل لیٹ گیا، اس کا پیر پھیلا ہوا تھا، کھیت کے آخر سے ایک سانپ نکلا اور اس کا پیر ڈس لیا، سانپ جہاں سے آیا تھا وہاں چلا گیا، تاجر بے ہوش ہو گیا، ہم نے اس کو پلانے کے لئے تریاق نکالنا چاہا کہ ایک مقامی آدمی نے کہا: تریاق سے کام نہیں چلے گا، اگر تم اپنے ساتھی کی زندگی چاہتے ہو تو سانپ کے منتر والے کو بلاؤ۔ ہماری درخواست پر وہ خود ایک شخص کو جو سانپ کاٹے کا منتر جانتا تھا بلا لایا۔ منتر والے نے ننلو دینار (اس وقت کے حساب سے تیرہ سو روپئے سے زیادہ) فیس مانگی، ہم نے کہا دیں گے۔ اُس نے ابھی منتر کے چند بول پوری طرح ادا بھی نہ کئے تھے کہ سانپ آگیا۔ منتر والا: اس سے کوئی کچھ نہ بولے، وہ مار گزیدہ کے پاس آیا اور وہ جگہ چوسی جہاں ڈنک مارا تھا، اس کے بعد وہ لوٹ گیا۔ مار گزیدہ کھڑا ہو گیا گویا اس کے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ ہم نے ننلو دینار فیس ادا کی اور منتر کی کرامات پر حیران ہوئے اور وہ جگہ چھوڑ دی اور بندرگاہ لوٹ گئے۔

مجھ سے ایک شخص نے جو ہند کا سفر کر چکا تھا بیان کیا: میں نے سنا کہ اعلیٰ قسم کا نادر اور قیمتی الماس کشمیر میں پایا جاتا ہے۔ وہاں دو پہاڑوں کے بیچ ایک وادی ہے جس میں گرمی ہو یا جاڑا چوبیس گھنٹے آگ جلتی ہے اور الماس اس وادی میں ہوتا ہے۔ اس میں ہند کے ایک نیچ ذات لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا۔ ان کی ایک ٹولی جان کی بازی لگا کر وہاں جاتی ہے، یہ لوگ دبلی بکریاں ذبح کر کے ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے ہیں

اور غلیلوں میں رکھ کر ایک ایک ٹکڑا پھینکتے ہیں، وہ خود آگ کے پاس نہیں جا سکتے، ایک تو آگ کی لپیٹ بہت تیز ہوتی ہے اور دوسرے لا تعداد سانپ اور اژدھے آگ کے قریب ہوتے ہیں اور ان میں ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ منٹوں میں آدمی کا خاتمہ کر دیتے ہیں. یہ لوگ جب گوشت پھینکتے ہیں تو اس کو اٹھانے گِدھ جو کثرت سے وہاں ہیں، اترتے ہیں: اگر گوشت آگ سے دور گرتا ہے تو وہ اس کو اٹھا لیتے ہیں یہ لوگ جب دیکھتے ہیں کہ گِدھ نے گوشت اٹھا لیا ہے تو اس کا پیچھا کرتے ہیں، کبھی گوشت کے ٹکڑوں سے الماس کا کوئی دانہ گر پڑتا ہے. کبھی گوشت کا ٹکڑا آگ میں گرتا ہے اور جل جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گِدھ گوشت کے ٹکڑے پر اترتا ہے اور وہ ٹکڑا آگ کے قریب ہوتا ہے تو وہ گوشت کے ساتھ خود بھی جل جاتا ہے، کبھی گِدھ ٹکڑا زمین پر گرنے سے پہلے ہی اچک لیتا ہے. جو صورت بھی پیش آئے الماس حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے. اکثر الماس کی مہم پر جانے والے سانپوں اور اژدھوں کا لقمہ بن جاتے ہیں. چوں کہ الماس بڑا شاندار اور قیمتی پتھر ہے اس علاقہ کے راجے اس کی ٹوہ میں رہتے ہیں، اور الماس کی مہم پر جانے والوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور ان کا بڑا سخت جھاڑا لیتے ہیں.

۳۶/۲ ایک سے زیادہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ انھوں نے ہند کے کسی شہر میں ہاتھی دیکھا جو اپنے مالکوں کے کام کاج کرتا تھا. ہاتھی کو سودے کا برتن دے دیا جاتا اور اس میں کوڑیاں جن کے ذریعہ خرید و فروخت ہوتی، رکھ دی جاتیں اور مطلوبہ چیز کا نمونہ، جیسے مرچ، چاول اور سقط (؟)، غرض کہ ہر مطلوبہ چیز کا نمونہ اس برتن میں ہوتا. برتن لے کر ہاتھی بنئیے کی

ردِ عمل کے طور پر بھی۔ پاکستان کی کامیابیوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں لیکن انھیں اس کی خرابیوں کی پاداش میں مصیبتیں جھیلنی ہیں [1]۔

پاکستان میں اس داخلی اور جذباتی ہیجان کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے مسلمان نفسیاتی طور پر اس کو برحق سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہو رہا ہے اور اُن کی حالت بہت خراب ہے، اس سلسلہ میں اُن کا یقین اتنا پختہ ہے کہ بسا اوقات آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ پاکستان والے ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق بُری خبر سُننا پسند کرتے ہیں [2] اور اُن کے بارے میں فلاح و بہبود کی کوئی واقفیت انھیں گوارا نہیں۔ مسلمانوں کے ان دونوں گروہوں کا جذباتی تعلق اب بھی بہت قریبی اور گہرا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان بڑی عجیب و غریب پوزیشن میں ہیں، اُن کے مستقبل کا معاملہ دو باہری گروہوں پر منحصر ہے۔ ان کے حالات پر نہ صرف یہ کہ اُن کے ملک کے اُن شہریوں کے رویے کا

---

[1] اس موقع پر مسئلہ "قربانی" کو یاد رکھنا چاہیئے یعنی یہ کہ پاکستان میں اسلام کو پھولنے پھلنے کا موقع ملے اس کے لئے ہندوستانی مسلمانوں نے قربانی دی ہے۔ انجام کار وہ کہتے ہیں کہ "ہمارے بھائی آزاد ہو جائیں، بلا سے ہمیں مصیبتیں جھیلنا پڑیں"۔ یہ نقطۂ نظر کافی معقول ہے اگر اس میں سنجیدگی اور خلوص ہو، اور محض ذہنی تشفی کے لئے نئی تاویل نہ ہو۔ بہر حال یہ معلوم ہونے پر کہ پاکستان میں اسلام ترقی پانے کے بجائے منافق اور بے بس سیاست دانوں کے ہاتھوں میں بڑی حد تک کھلونا بن کر رہ گیا ہے، قربانی دینے والے مسلمانوں کو بڑی تلخ مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ [2] بظاہر اس قسم کا احساس خاص طور سے گفتگو کے دوران میں ہوتا ہے۔ لیکن ایسے بھی ہوتا ہے جب پاکستانی پریس میں ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ بُرے سلوک کی کہانیاں ایک خاص انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔ ہمدردی کے علاوہ پاکستانی سائیکلوجی میں ایک عنصر یہ بھی ملتا ہے، زیادہ گہرائی میں نہیں، جو ہندی مسلمانوں کے متعلق کسی اچھی خبر کو سُننا پسند نہیں کرتا۔ آج بھی (۱۹۵۶ء) پاکستانی نیوز ڈائجیسٹ بڑے اہتمام سے ہندوستان میں عیسائیوں کے ساتھ ناروا سلوک کی کہانیاں شائع کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ، ایک طرح کی نفسیاتی ضرورت ہی پوری کرنی مقصود ہے (مثلاً کوئی وجہ نہیں کہ پاکستانی حکومت مصر کے عیسائیوں کے ساتھ بُرے سلوک کی داستانیں شائع کرے یا ارجنٹائن میں یہودیوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے اُس کو اشاعت دے۔)

اثر پڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے جو اُن کے ہم مذہب نہیں بلکہ ایک دوسری قوم کے مسلمانوں کی سرگرمیوں کا بھی۔ وہ ایک ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں جہاں انھیں ایک دوسری مسلم جمیعت کی حقیقی یا غیر حقیقی حماقتوں اور زیادتیوں کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لاہور میں اگر غیر مسلم مارے جائیں تو مسلمانانِ ہند مجروح ہوتے ہیں، ڈھاکہ میں اگر کوئی نا انصافی ہو تو ان کے ساتھ ہندوستان میں انصاف کرنے کا کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے پاکستان جتنا "اسلامی" بنتا ہے (خاص طور سے ابھی تک ہیئت ہی ہیئت ہے، معنی کا دور تک پتہ نہیں) اتنا ہی ہندی مسلمان اپنے آپ کو غیر محفوظ پاتے ہیں۔ ایک خبطی بھونڈے طریقے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ پاکستان میں اسلام کو جتنا فروغ حاصل ہوگا اسی قدر ہندوستان میں اسے انتشار کا سامنا کرنا ہوگا۔

اس خط کشیدہ ریمارک میں اگر کچھ بھی حقیقت ہے تو اس کی نفی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے مسلمان اسلام کو ایک بلند داخلی اور نازک متحرک فکر کے طور پر برتیں۔ ان لوگوں کے لئے جو اسلام کی اس تعبیر کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں داخلی اور خارجی دونوں طرح کی الجھنیں ہیں۔

اپنی بلائی ہوئی مصیبت | ہم کہہ چکے ہیں کہ پاکستان کا نظریہ اور وجود میں ہندوستانی مسلمانوں کی "خرابی" کی ایک صورت "مضمر" رہی ہے۔ لیکن ان کی خرابی کا اس سے زیادہ اہم سبب خود اُن کا اپنا ذہنی رجحان اور رویہ ہے۔ پاکستان کی حکمت عملیوں کا اثر مقابلۃً اُن پر کم پڑتا اگر وہ اپنے خیالات اور رویے کو ٹھیک رکھتے۔ پاکستان کے وجود سے زیادہ نظریۂ پاکستان سے مسلمانانِ ہند کو وابستگی رہی ہے۔ تقسیم کے بعد یہ وابستگی ختم نہیں ہوئی اور یہی ان کے جذباتی اور سماجی انتشار کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ جب تک ہندوستانی مسلمان اسی طرز پر سوچتے رہیں گے اور اپنے رجحان اور رویے سے پاکستانی مسلمانوں اور ہندوستانی ہندوؤں کو اس کا موقع دیتے رہیں گے کہ وہ انھیں "ہندوستانی مسلمان" نہ سمجھیں اس وقت تک اُن کی حیثیت غیر واضح، بے رنگ اور مبہم رہے گی۔ انجام کار اُن کی ساری صلاحیتیں منتشر ہو جائیں گی اس موقف نے پچھلے دس سالوں میں اُن کے دلوں

میں خوف وہراس پیدا کیا ہے اور آیندہ بھی داخلی اور خارجی، جذباتی اور سماجی عدم تحفظ کے احساس اور پریشان کن خیالات کا منبع بنا رہے گا۔ خوف وتذبذب داخلی انتشار اور خارجی عدم اعتماد کی فضا میں پروان چڑھتا ہے ـــــ ہندوستان کی دوسری جماعتیں اس وقت تک ان پر بھروسہ نہیں کر سکتیں جب تک کہ وہ ففتھ کالمسٹ "Fifth Columnist" ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اور وہ خود بھی اپنے آپ پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ان شرائط کے ساتھ وہ اس صورتِ حال کو جس میں کہ وہ ہیں قبول کرنا تو درکنار مشکل سے تسلیم بھی کر سکتے ہیں۔ یہ محض تاریخی الجھن ہی نہیں ہے یہ ایک دینی مسئلہ ہے۔ ان کا مذہب ـــــ اسلام ـــــ وہ چیز ہے جو حالات کی پیچیدگیوں میں ان کا سہارا ہے۔ ایک ایسا حقیقی سہارا جو عالمِ کس مپرسی میں ان کو حوصلہ بخشتا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ اسلام ہی ہے جو انھیں پاکستان سے جوڑتا ہے اور اس ہندوستان سے الگ رکھتا ہے جہاں وہ رہتے ہیں اور اسلام کا نقشہ اس میں اتنا ہاتھ نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کی ایک مخصوص تعبیر اور تشریح ہے جس سے ۱۹۳۰ء کے بعد کے برسوں کی اہم و نازک مدت میں، ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ جماعت کے سمجھدار افراد نے اپنے آپ کو الگ رکھا لیکن مسلمانوں کی اکثریت نے جس کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور جس کے اثر سے مسلمانوں کی یہ جماعت پوری طرح آزاد نہیں ہوئی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ نئے حالات کے مطابق اسلام کو نئے ڈھنگ سے پیش کیا جائے جس میں قبل از تقسیم کا جذباتی رنگ نہ ہو اور جس میں ایسی متحرک لچک ہو جو اس جماعت کو آج کے مسائل اور مواقع سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دے۔

مسلمانانِ ہند کی اکثریت نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ مجبور ہیں، ماحرہ بن گئے ہیں ان خارجی حالات ورجحانات کے ہاتھ میں جن پر انھیں قابو نہیں ہے۔ انھیں یکایک یہ اندازہ ہوا کہ انھیں ایسی صورتِ حال سے سابقہ ہے جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے اور جس سے نجات پانے کے لئے وہ اندھے جوش وجذبہ کے ساتھ ہاتھ پاؤں مار رہے تھے مگر جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ صورتِ حال زیادہ

آزمائشوں کے ساتھ ان کے سر پر مسلط ہے۔

بہر حال یہ احساس، خواہ کتنا ہی گہرا اور اہم ہو، بنیادی طور پر غلط ہے۔ اُن کی تاریخ نے جو یہ نئی کروٹ بدلی ہے تو اس میں نہ تو کسی جابر تقدیر کا ہاتھ ہے اور نہ کسی بیرونی طاقت کا۔ برخلاف اس کے یہ سب کچھ انھیں کا کیا ہوا ہے۔ اسلامی تاریخ کے اس واقعہ کی ذمہ داری خود اُن مسلمانوں پر ہے جو اس سے متعلق تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ان حالات کی آرزو نہیں کی تھی جن میں کہ آج وہ اپنے آپ کو پاتے ہیں، لیکن وہ قدم انھیں کا اٹھایا ہوا تھا جس کے نتیجے میں یہ آج کے حالات رونما ہوئے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد، طویل عرصہ تک دبے رہنے کے بعد، یہ جماعت آزادی کی منزل کی طرف بڑھی اور پھر اس آزادی کو قیام پاکستان کی جدوجہد میں استعمال کیا۔ یعنی تقسیم ہند کا مطالبہ کیا۔ اس لئے بنیادی طور پر پاکستان کے قیام کی ذمہ داری ہندوستانی مسلمانوں پر ہے اور اسی لئے اس کے بعد ہندوستان میں اُن کی جو پوزیشن ہے اس کے بھی وہ ہی ذمہ دار ہیں۔ پاکستانیوں نے اُن کی پیروی کی اور پاکستان کو قبول کر لیا لیکن ہندوستانی مسلمانوں نے راہ دکھلائی اور پاکستان بنایا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ واضح طور پر اُس سانحہ کو نہ دیکھ سکے جس میں کہ وہ خود اپنی تاریخ ڈھال رہے تھے۔ یہ تو ممکن ہے کہ دور اندیش اور دانش مند بنے بغیر آزادی مل جائے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ اس آزادی کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوا جا سکے ہندوستانی مسلمان اپنی نئی صورتِ حال کے لئے محض اس لئے ذمہ دار نہیں ہے کہ انھوں نے قیام پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ بنیادی بات ہے لیکن اس کے علاوہ اور باتیں بھی ہیں جن میں سے ایک ۱۹۴۷ء کے بحرانی وقت میں لیڈروں کا پاکستان چلا جانا ہے۔ پڑھے لکھے مسلمان، تاجر اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو با اثر مسلمان تھے ان کی اکثریت نے پاکستان کا راستہ لیا اور عام مسلمان بڑی حد تک "کاروانِ بے یوسف" بن کر رہ گئے۔ مسلم لیگ نے اس "ہجرت" کی ہمت افزائی کی بغیر اس کا خیال کئے ہوئے کہ جو مسلمان ہندوستان میں رہ جائیں گے ان کا کیا بنے گا۔ کُل ہند کا پورے پیمانہ پر یہ بوجھ اُن اہم مسلمان شخصیتوں کے

چھوٹے سے گروہ نے اٹھایا جو شروع سے قوم پرست رہی تھیں اور ہندوستانی قومیت کی آئیڈیل کی وفادار تھیں لیکن مقامی اور علاقائی پیمانے پر یہ بوجھ بہت بڑا تھا اور فوری عملی نتائج اور اخلاقی ذمہ داری و جرأت کے دیوالیہ پن کے اثرات کے لحاظ سے مسلمانانِ ہند کو بڑا شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اب اس میں وقت لگے گا کہ یہ جماعت اپنے خالی اور یاس زدہ کیمپ میں سے بڑے پیمانہ پر ایک نئی لیڈرشپ پیدا کر سکے۔

یہ معاملہ اتنا زیادہ انتشار کا سبب نہ بنتا اگر ہجرت کا یہ سلسلہ جاری نہ رہا ہوتا۔ ۱۹۴۷ء کا بحران آیا اور ختم ہوگیا۔ اس وقت جن لوگوں نے پاکستان کا انتخاب کیا، انھوں نے گویا ایک فیصلہ کیا، جس کا غلط یا صحیح، احترام کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اُن کا معاملہ بالکل مختلف ہے جنہوں نے پہلے ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا اور وفاداری کی قسم کھائی لیکن بعد میں بے وفائی کی۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کی بے چارگی، کس مپرسی اور اس تلخ احساس میں اضافہ ہوتا رہا کہ وہ بے رہنما کے رہ گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس مسلسل "ہجرت" کا یہ اثر ہوا کہ جو مسلمان ہندوستان میں رہ گئے تھے ان کی وفاداری بھی مشکوک ہوگئی۔ ہندوستان میں ایسے ہندو اور مسلمان تھے جنہوں نے عام مسلمانوں کی پُشت پناہی کی یا انفرادی طور پر مسلمانوں کی ترقی، وقار اور اعتماد کے مسئلہ کو سہارا دیا اور ایسے ہندوؤں کی فرقہ پرستی کا مقابلہ کیا جو ہندوستان کے سارے مسلمانوں کو غیر وفادار کہتے تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کا موقف کمزور ہوتا رہا بعض مسلمانوں کے اعمال اور مثالوں سے جو ثابت کرتی تھیں کہ مسلمان حقیقت میں اپنے ملک کے وفادار نہیں ہیں۔

ایسے نوجوان مسلمانوں کی تعداد خاص ہے جنہوں نے یونیورسٹیوں سے ڈگری لی اور ہندوستان میں ملازمت تلاش کرنے کے بجائے پاکستان چلے گئے۔ کئی مشہور مسلم رہنماؤں نے اور بعض مثالیں تو ایسی ہیں کہ انھوں نے اس ملک کی وفاداری کا حلف اٹھایا اور ذمہ دار پوزیشن حاصل کی، بعد میں ایسے مواقع کی تلاش کی یا انھیں ایسے مواقع پیش کئے گئے کہ وہ اچانک سرحد پار پاکستان چلے گئے۔ ادبی اور مذہبی دنیا سے تعلق رکھنے والے بعض اہم اشخاص نے بھی یہ کیا اور غالباً سب سے زیادہ

مضرت رساں واقعہ وہ تھا جب ہندوستانی فوج کے ایک بریگیڈیر جنرل، ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کرنے، ذمہ دار عہدہ تک ترقی کرنے اور فوج کے خفیہ معاملات تک رسائی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں اپنی درخواست پر ریٹائر ہوئے اور پاکستان چلے گئے اور وہاں حکومت کے ملازم ہو گئے۔

اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنے رویہ سے ان مسلمانوں کی پوزیشن کتنی خراب کر دیتے ہیں جو ہندوستان میں رہتے ہیں اور جنھیں ہندوستان ہی میں رہنا ہے۔ بریگیڈیر انیس نے جو حرکت کی ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اب کسی مسلمان کا بریگیڈیر ہونا مشکل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پھر ایسا ہونا بھی مشکل ہے۔ اردو کے مشہور شاعر جوش کی "ہجرت" کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں ان کے چلے جانے کے بعد اردو کا مستقبل تاریک تر ہو جائے۔ پاکستانی اس قسم کی مثالوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہندوستان میں نہ صرف عام مسلمانوں کے حالات خراب اور غیر اطمینان بخش ہیں بلکہ وہ مسلمان بھی مطمئن نہیں ہیں جن پر ہندوستان کی نظرِ کرم ہے اور جو ذمہ دار جگہوں پر ہیں۔ بعد میں ہم اس مسئلہ اور اس کی تفصیلات پر مزید بحث کریں گے۔ اس موقع پر ہم صرف اسی واضح حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عام اور بڑے مسلمانوں نے اپنی پوزیشن، خواہ وہ کچھ بھی ہو، خود اپنی غیر وفاداریوں کی مثالوں سے خراب کر لی ہے۔ یہاں ہم اس اخلاقی پہلو کی چھان بین بھی نہیں کریں گے کہ کیوں ان لیڈروں نے، اگر واقعی ان کے نزدیک مسلمانانِ ہند کی حالت ابتر ہے، محض ذاتی مفاد اور نجی ترقی کا خیال رکھا اور اس کا لحاظ نہ کیا کہ وہ ذمہ دار جگہوں پر رہ کر اپنے ساتھیوں کی خدمت کریں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی جماعت اپنے ملک اور اپنی موجودہ صورتِ حال کی حقیقتوں سے جو اجنبیت محسوس کرتی ہے وہ درحقیقت پیدا ہوئی ہے اس جذباتی الجھاوے سے جس کا رشتہ نہ صرف پاکستان سے بندھا ہوا ہے بلکہ خود اس کے اپنے ماضی سے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کے اسباب (اگرچہ یہ مشکلیں اپنی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں۔) کا سراغ لگایا جا سکتا ہے ان عوامل میں جن کا تعلق اس صورتِ حال سے ہے جس میں کہ وہ ہیں۔ ان میں سے ایک معاشی معاملہ ہے، جو بہت الجھا ہوا اور پیچیدہ ہے اور جس کا پچھتر سالہ ارتقا اس جماعت کے حق میں ناخوش گوار اور ناموافق رہا ہے کیوں کہ اس پورے زمانے میں یہ جماعت اتنے افراد اور ایسے گروپ نہیں پیدا کر سکی جو اسے اپنی تعداد کے پیش نظر کرنا چاہیے تھا اور جو اس قابل ہوتے جو نئے مواقع اور نئی ضرورتوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کر سکتے یا ان سے فائدہ اٹھانے

کے اہل ہو سکتے۔ یہ ناموافق صورتِ حال، ایک ایسے ماحول میں جس کی پہنائیاں مستقل بڑھتی اور پھیلتی رہی ہیں مسلمانوں کی یہ جماعتی پسماندگی سبب بنی ہے نہ صرف افراد اور مختلف گروہوں کی معاشی زبوں حالی کا بلکہ اُن کے نفسیاتی اور جذباتی ہیجان کا بھی۔ مزید براں ان کی تہذیبی اور مذہبی سرگرمیوں میں بھی اس کے دور رس نتائج کا دخل رہا ہے۔

ایک مثال لے لیجئے: ہندوستان میں اسلامی تمدن کے تخلیقی مرکزوں میں اکثر کی مالی کفالت خاص طور سے زمینداروں یا نوابوں کی فیاضی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) (جو نیم کلاسیکی ادارہ ہے) سے لے کر حیدر آباد کے اسلامک کلچر تک جو مغربی طرز کا ایک رسالہ ہے — یہ سب ادارے اس طبقہ کی مالی امداد کے سہارے چلتے ہیں جو پچھلے عہد کی "باقیات" تھیں۔ اس ملک میں عرصہ سے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق نئے حالات رونما ہو رہے تھے اور یہ ملک تیزی سے عہدِ جدید کی "برکتوں" کی طرف بڑھ رہا تھا باوجود اس کے کہ برطانوی حکومت نے اس کی ظاہری آب و تاب کو دبا رکھا تھا ۱۹۴۷ء کے بعد سرعت کے ساتھ یہ آب و تاب ظاہر ہونی شروع ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ صنعتی اور تکنیکی دور میں مسلمانوں کے جاگیردارانہ ادارے غیر محفوظ ہیں۔ زمینداری اور ریاستوں کا خاتمہ نئے ہندوستان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اسے تعمیر و ترقی کی طرف بڑا اور اہم قدم کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس سے "ہندوستانی اسلام" کی مشکلیں بڑھ گئیں ہیں تو یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ جماعت کتنی پسماندہ رہی ہے جو چیز مسلمانوں کو جاگیردارانہ اور متعصبانہ امتیاز کی شکل میں نظر آتی ہے وہی ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے اُن کی کمزوری اور پستی ظاہر کرتی ہے۔

حیدر آباد کا المیہ (۱۹۴۸ء) اور اس کے خلاف مسلمانوں کا جذباتی احتجاج، اس کی واضح مثال ہے۔ یہ واقعہ مسلمانانِ ہند کی اس کوشش کا ایک اور ثبوت ہے کہ وہ جمہوری ہندوستان میں اپنی نئی پوزیشن تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ایک شاندار ماضی کی دھندلی جاہ و حشمت سے متعلق ان کے جذبۂ خودداری کی پوجا اور گذرے ہوئے زمانہ کی اس یادگار کو برقرار رکھنے کے

لئے اُن کی پُر جوش لیکن بے سود کوشش ـــــ غرض اُن کی تمام جذباتی ہیجان انگیزی اس بے نتیجہ ہنگامہ میں خوفناک طور پر ظاہر ہوگئی۔ نظام اور اس کی حکومت، بہت سے مسلمانوں کو، اسلامی تاریخ کی زمینی عظمت کی یاد دلاتی تھی اور جب اس حکومت کے زوال اور خاتمہ کے امکانات قوی ہوگئے تو انھیں اس افسوس ناک صورتِ حال کا احساس ہوا کہ اس "زمینی عظمت" کا زوال کہاں تک پہنچ چکا ہے۔

یہ سارا معاملہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اس سیاسی حماقت کی المناک اور واضح شرح ہے جس کے وہ عالم یاس و افسردگی میں مرتکب ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ ذہنی اور اخلاقی طور پر اس بات کا اندازہ کرنے اور تسلیم کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ آج اور آنے والے زمانہ میں اسلام کی مرئی اور غیر مرئی عظمت کو نئی شکل اور مختلف انداز میں ظاہر ہونا ہے۔ اُن مسلمانوں کے لئے جو پیچھے کی طرف دیکھنے کے عادی ہیں یہ معلوم کرکے بڑی تکلیف ہوئی ہے کہ خدا اور انجمن اقوام متحدہ کسی کو بھی اس سے دلچسپی نہیں ہے کہ اسلامی کارناموں کی وہی قدیم شکل و صورت باقی رہے۔ ہندوستان میں اسلام کے عظیم اور پُرشکوہ مستقبل کی تعمیر اُن کے ہاتھوں نہیں ہوگی جو جاگیرداری نظام کے نمایندوں کی بُرائی اور کھوکھلی جاگیروں کے خاتمہ پر ماتم کرتے ہیں، بلکہ یہ بڑا کام وہ لوگ انجام دیں گے جو اسلام کی آفاقی اور ابدی سچائیوں کی تلاش میں کوشاں ہیں اور اس بات کی جدوجہد کرتے ہیں کہ ان کا پورا اثر موجودہ حالات پر پڑے۔

حیدرآباد کے مسلمانوں کو حالات کی غلط تاویلات کی جو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے اُسے بھی نہ بھولنا چاہئے۔ جب ہم مسلمانانِ ہند کی موجودہ پریشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کا اندازہ بھی کرنا چاہیں کہ کہاں تک یہ دشواریاں خود اُن کی اپنی پیدا کی ہوئی ہیں، تو ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اُن کا ہر غلط قدم کتنے تباہ کن نتائج کا سبب بنا ہے۔

امید کی کرن اُن بڑھتے ہوئے حالات میں جن کا کہ انھیں سامنا ہے ہندوستان کے مسلمانوں میں دو رجحانات نمایاں رہے ہیں۔ ایک تو وہ ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں یعنی احساسِ نامطابقت

وعدم تحفظ کا خطرناک چکر اور دوسرا ہے حقیقت پرستی کی تکلیف دہ اور سست رفتار کامیابی یعنی یہ رجحان کہ تلخ حقائق کو سمجھنا چاہیے، اس سے سمجھوتہ کرنا چاہیے اور سمجھ بوجھ کر، آزادی اور ذمہ داری کے ساتھ نئے ہندوستان کی سرگرمیوں میں شرکت کرنی چاہیئے، پہلے رجحان میں افسردگی اور فرار کی تلاش تھی، دوسرے میں اسلام اور اسلامیانِ ہند کی نئی زندگی کی صبح کے آثار ملتے ہیں جس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ایک نئی آزادی اور حالات سے مطابقت کا ایک تخلیقی حوصلہ، اہم تعمیر و ترقی اور نتیجہ خیز نشو و نما کا ایک امید افزا سلسلہ جو ہندوستان کی سرحدوں کو بھی پار کر جائے۔

یہاں ایک بار پھر ہم اسلام کے بنیادی "بحران" سے دوچار ہوتے ہیں، اس بحران کا تعلق ہے اُس اہم اور بڑھتے ہوئے تضاد سے جو مسلمانوں کے موجودہ حالات اور اُن پُرانے اور ناموافق جذبات و نظریات میں ہے جن کے سہارے وہ نئی صورتِ حال کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تضاد ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہ حقیقت بیک وقت ان کی بے چینیوں اور ان بے چینیوں کے مداوا کے امکانات کا پیمانہ ہے۔

حالات کا خطرناک چکر برابر چل رہا ہے۔ خارجی حالات کو دیکھتے ہوئے جن کا تعلق ہندوستان، پاکستان اور گذری ہوئی تاریخ سے ہے، یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو غیر محفوظ ہی محسوس کر سکتے ہیں اور یہ احساسِ عدم تحفظ ہی حقیقی صورتِ حال سے سمجھوتہ کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور ان کے ذہنی و جذباتی فرار (اور موقع ملنے پر جسمانی فرار ـــ یعنی پاکستان کا رُخ کرنا۔) کا سب سے بڑا سبب ہے۔

مثلاً، ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہندوستان میں مُسلم اقلیت کی کمزوری کا بنیادی سبب اس کا پاکستان سے (ذہنی و جذباتی) تعلق ہے۔ اور یہی وہ کمزوری ہے جس کی وجہ سے یہ مُسلم اقلیت اس تعلق کو ختم کر دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی۔ یہ رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اس حقیقت کو یا تو یہ جان بوجھ کر تسلیم نہیں کرتی یا اسے مان لینے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ جتنی زیادہ غیر محفوظ رہی ہے اتنا ہی اس نے یہ تعلق برقرار رکھنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ پایا ہے۔ (جب کہ یہی خارجی تعلق ہندوستان

میں اس کی پوزیشن کو نازک تر بنا دیتا ہے۔)۔۔۔۔۔ اسی طرح اگر ایک طرف خلیق الزماں، جو
اور بریگیڈیر انیس کا پاکستان بھاگ جانے سے مسلمانانِ ہند کی دشواریاں بڑھ جاتی ہیں تو دوسری
طرف یہی بات کسی دوسرے آدمی کے پاکستان چلے جانے کا معقول سبب قرار دی جاسکتی ہے
(اور قرار دی گئی ہے۔) حیدر آباد کے رضاکاروں کا ہنگامہ جن تباہ کاریوں کا سبب بنا اُن کا نتیجہ یہ
ہو سکتا تھا کہ بہت سے حیدر آبادی مسلمان جنھیں ان کا سامنا کرنا پڑا، اور بھی زیادہ مایوسیوں کا
شکار ہو گئے، معقول اور مناسب رویے کے لئے پہلے سے بھی کم تیار ہو سکے اور تعمیری اشتراک و
تعاون کی ذمہ داری لینے کے لئے پہلے سے اور بھی کم اپنے آپ کو اہل ثابت کر سکے۔ وہاں کے پڑھے
لکھے طبقہ نے اپنے نظریوں اور رجحانات پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے جس سے زندگی کے نئے مسائل حل
کرنے میں ان کو مدد ملتی، کوئی کوشش نہیں کی ہے۔[1]

ایسے حالات میں دانش مندی کی منطق ناکارہ ثابت ہوتی ہے۔ یہاں جذبات پورے طور
پر غالب رہے ہیں اور نظریات کی جڑیں دور تک گہرائی میں پہنچی ہوئی ہیں۔

باوجود ان باتوں کے حقیقت یہ ہے کہ صورتِ حال سنبھلی ہے۔ مذکورہ بالا دو رجحانات میں
سے ایک جو مایوسی و افسردگی کی طرف لے جاتا تھا، صرف تین چار سال تک غالب رہا۔ ۱۹۵۰ء کے
بتدریج مسلمان اس کے چنگل سے آزاد ہوتے رہے اور جیسا کہ ہم نے اشارۃً کہا ہے، یہ تبدیلی
ہمارے نزدیک بڑی کامرانیوں کے امکانات کا پیش خیمہ ہے۔ کیوں کہ واقعات نے خود سختی اور
بے رحمی کے ساتھ سبق سکھایا ہے۔ غلط تصورات اور اُن احمقانہ تاویلات کی بے منطقیت ہی نے
نہیں بلکہ عملاً اُن کے متواتر اور مجموعی طور پر تباہ کن نتائج نے حالات کا از سرِ نو جائزہ لینے کے لئے
مجبور کر دیا ہے۔ مزید براں ہندوستان میں جو کچھ ہوا ہے اور عام ترقی اور فلاح کی طرف جو قدم
اُٹھایا گیا ہے اس کی تعمیری خوبیوں کا بھی اس تبدیلی میں بڑا ہاتھ ہے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کی مادی اور روحانی فلاح و بہبود کا راز اس میں ہے کہ وہ

---

[1] ویسے کچھ قابلِ احترام مستثنیات بھی ہیں۔ ایک مثال ڈاکٹر سید عبداللطیف کی ہے جو اکیڈمی آف اسلامک
اسٹڈیز کے منتظم کار اور صدر ہیں۔

خدا کے بھروسہ پر اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہوں، ہندوستان میں اپنی نئی صورتِ حال کو تسلیم کریں اور اس میں خود اپنی قسمت بنانے کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور قبول کریں، دوسروں پر بھروسہ اور اپنے آپ پر اعتماد کرنے کی صلاحیت پیدا کریں اور آزادی، ایمان داری اور تخلیقی قوتوں کے ساتھ نئی قوم کی زندگی کی سرگرمیوں میں شریک ہوں۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ گذشتہ پانچ برس کی مدت میں، تمام دشواریوں اور پریشانیوں کے باوجود، ہندوستانی مسلمان اس طرف آگے بڑھے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا ہاتھ سیکولرازم کی کامیابی کا ہے۔ سیکولرازم اگرچہ پوری طور پر کامیاب نہیں ہے لیکن بنیادی طور پر اس کا اثر پڑا ہے اور جتنا کچھ ہے ٹھوس ہے۔ مسلمانوں نے دیکھا ہے کہ ہندوستان میں لاقانونیت نہیں ہے، انھوں نے دیکھا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں پولیس نے انصاف برتنے کی کوشش کی ہے اور اس کا بھی تجربہ کیا ہے کہ سیکولر اسٹیٹ نے نشۂ کامرانی سے مخمور ہندوؤں کو مسجدوں کو مندر میں منتقل کرنے کی کوشش سے روکا ہے[1]۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں رہ سکتے ہیں اور اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے میں آزاد ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں ہندوستان کے اکثر مسلمان یہ تسلیم کرنے کے لئے آمادہ معلوم ہوتے تھے کہ اُن کی حالت توقع سے زیادہ بہتر ہے۔

(بس ہندوستان میں مسلمان ہیں اور کافی ہیں ——— ضیا) لیکن زندہ بچ جانے اور رہ جانے کے علاوہ بھی اور کچھ ہے، بعض لوگوں نے تو رہ جانے ہی کو غنیمت سمجھا ہے اور غیر شعوری طور پر اسی حالت پر مطمئن ہیں، اس معاملہ میں زیادہ غور و فکر نہیں کیا گیا ہے کہ ان کا ہندوستان میں رہنا اور ان کی فلاح و بہبود یہ سب منحصر ہے اسٹیٹ کے سیکولر ہونے پر اور اس طرح اس صورتِ حال کی دینی حیثیت کیا ہے (اور سیکولرازم اور اسلام کے اصولوں میں کہاں تک مطابقت ہے۔ ضیا) اس مسئلہ پر بھی ابھی نہیں سوچا گیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے، خواہ روایاتی مذہب اس کے بارے میں کچھ ہی کیوں نہ کہے، کہ سیکولرازم اپنا کام کر رہا ہے اور مسلمانوں کے حق میں یہ نعمت ثابت

---

[1] ملاحظہ ہو فیض آباد (یو۔پی) کے قریب اجودھیا کی بابری مسجد کا واقعہ۔

ہوئی ہے۔ گنے چنے چند لوگ ہیں جو ابھی تک اسلامی اسٹیٹ کے نظریہ سے چپکے ہوئے ہیں[1]۔ اس نظریہ کی خوبیاں اور اس کے معنی اصولی طور پر چاہے جو کچھ ہوں، مسلمانانِ ہند کی اکثریت اس بات پر متفق ہو گئی ہے کہ موجودہ حالات میں یہ غیر ضروری، بے محل اور مضرت رساں ہے۔

حیدر آباد کے واقعہ نے اس احساس کو اور شدید کر دیا ہے۔ ایک مسلمان نے مجھ سے کہا کہ "جب مجھے معلوم ہوا کہ حیدر آباد میں پولیس ایکشن ہوا ہے، تو میں مسلمانوں کی حالت پر رو دیا، لیکن آخر میں، اُن کے تمام آلام و مصائب کے باوجود، میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں یہ بہت مفید ثابت ہوا یعنی یہ کہ احمقانہ جذباتیت کا چراغ آخری بار بھڑک کر بجھ گیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انھیں زندگی کی حقیقتوں کا، جیسی کچھ بھی وہ ہیں، مقابلہ کرنا چاہیے۔"

حقیقت پسندی کے اس رجحان کو اور تقویت ملی جب معلوم ہوا کہ پاکستان جنت نہیں ہے جس طرح بتدریج یہ بات معلوم ہوئی کہ ہندوستان کے حالات بہت خراب نہیں ہیں اسی طرح یہ چیز بھی آشکارا ہوتی رہی کہ پاکستان میں صورتِ حال بہت اچھی نہیں ہے۔ اور کچھ لوگ کم از کم اتنے ایماندار ہیں کہ یہ مانتے ہیں کہ نظری اور عملی اعتبار سے ہندوستان میں ایک اقلیت کی حیثیت سے اُن کی پوزیشن پڑوس کی اسلامی جمہوریہ کی ہندو اقلیت سے بہتر ہے۔

جہاں تک مسئلہ کے مثبت پہلو کا تعلق ہے، مخلوط انتخابات نے کم از کم کچھ مسلمانوں پر "قومی" سیاست کا مطلب واضح کر دیا ہے اور فرقہ دارانہ موقف سے ہٹا کر اُن کی توجہ انسانی پہلوؤں کی طرف پھیر دی ہے۔ یو۔پی کے میونسپل انتخابات میں کانگرس امیدواروں کے مقابلہ میں اُن حلقوں میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے، آزاد مسلم امیدواروں کی کامیابی سے بھی مسلمانوں نے بہت کچھ سیکھا ہے[2]۔ اسی طرح یہ تجربہ بھی ان کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ انھوں نے ۱۹۵۱ء (اور ۱۹۵۷ء — ضیا) کے عام انتخابات میں اپنے ووٹوں سے ہندو فرقہ پرستی کو بھاری شکست دی ہے۔

(باقی)

---

[1] جماعتِ اسلامی مستثنیات میں سے ہے جو پاکستان میں مودودی صاحب کی اسی نام کی جماعت سے وابستہ ہے

[2] سہارنپور (یو-پی) میں جہاں ووٹ دینے والوں کی نصف تعداد سے زیادہ ہندو ہیں، کانگرس امیدوار کے مقابلہ